پیوں و کتابوں کی سستی:
کی-ای-ٹی-آر-غلام سرور لطیف

گلزار محبت

برج لال

Presented to my friend
Rai Sahib Lal Chand
S.D.O., M.E.S.
as a token of my
love –
Very sincerely
Brij Lal [illegible]
3/5/[illegible]

1475

گلزارِ محبت

مصنفہ

برج لعل دل

قیمت فی جلد ۸ر



BRIJ LAL DIL



BRIJ LAL DIL

اوم

گلزارِ محبت

مصنّفہ

برج لعل دل

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپی اور برج لال صاحب ورل
پبلشر نے دی بمبئی ہاف ٹون کمپنی متصل ٹانگہ سٹینڈ لوہاری گیٹ لاہور سے شائع کی

دُعائے خیر از حضرتِ جوشؔ ملسیانی

ابو الفصاحت و افضل الشعراء

غالباً دُنیائے ادب میں بہت کم حضرات ایسے ہونگے جو حضرت جوشؔ ملسیانی سے ناآشنا ہوں۔ آپکی نسبت تاج الشعراء فصیح العصر حضرت نوحؔ ناروی فرماتے ہیں "جوشؔ صاحب نظم و نثر دونو پر بخوبی قادر ہیں۔ یعنی وہ اچھے شاعر ہی نہیں بلکہ اچھے ادیب۔ اچھے نثار اور اچھے انشا پرداز بھی ہیں" یہ الفاظ جانشین حضرت داغؔ کے قلم سے ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جناب داغؔ کو اپنے جن شاگردوں پر ناز ہو سکتا تھا اُن میں سے ایک یہ حضرت جوشؔ ملسیانی بھی ہیں جنہیں حال ہی میں گوالیار کی بزم ادب نے ابو الفصاحت اور افضل الشعراء کے دو خطابات کی سند سنہری حروف میں لکھکر عطا کی ہے۔ ایسے محترم دوست کی زبان سے "گلزارِ محبت" کے حق میں کلمۂ خیر سُن کر اگر میرا دل خوش نہ ہوتا تو اس ایک گوشت کے لوتھڑے سے پہلو میں ایک پتھر کا ٹکڑا بہتر ہوتا۔ میری عقیدت تو یہ ہے کہ میں جناب پنڈت لبھو رام صاحب جوشؔ ملسیانی کو نہ صرف اپنا ایک محترم دوست بلکہ فنِ شاعری میں اپنا اُستاد بھی مانتا ہوں۔ آپ نے "گلزارِ محبت" کی نسبت جو رائے ظاہر فرمائی ہے وہ ایک ذرّہ نوازی ہے اور بزرگوانہ

کا شیوہ بھی یہی ہونا چاہیئے کہ چھوٹونکی حوصلہ افزائی فرماتے رہیں۔ اِن چند تمہیدی الفاظ کیساتھ جناب جوش ملسیانی کے گلریز قلم سے جو دعائے خیر گلزارِ محبت" کو ملی ہے۔ وہ تیمناً نقل کرتا ہوں۔ قارئینِ کرام بھی لطف اندوز ہوں "گلزارِ محبت" وہ گلزار ہے جسمیں خزاں کا گزر نہیں ہوتا اسکی کلیاں افسردہ و پژمردہ ہوکر بھی متبسم رہتی ہیں۔ اسکا ہر نخل آتش بجاں ہوکر نخلِ طور کا جلوہ دکھاتا ہے اسکے پھولوں کا دامن چاک ہوکر بھی رعنائی و زیبائی کا مرقع ہوتا ہے اِس باغ کے طائر اپنی فریاد میں بھی نغمۂ شیریں الاپتے ہیں۔ اور قیدِ قفس میں بھی آزادی کے گیت گاتے سنائی دیتے ہیں۔ اس باغ کی سیر کرنے والے دل کے داغوں میں بھی نوبہار کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ اس باغ کے کانٹوں میں بھی ایک حسن اور بانکپن پایا جاتا ہے۔ ہمارے عزیز دوست لالہ برج لال صاحب دلؔ نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر حسنِ طبیعت کے جو پھول کھلائے ہیں۔ انکی آب و تاب اور رنگ و بو کو دیکھکر یہ کہنا پڑتا ہے کہ مصنف کی شگفتہ بیانی اسی موضوع کی زیربار احسان ہے۔ اور یہ نفسِ مضمون ہی کی برکت ہے کہ نظم کا ہر ایک بند گلزارِ سخن کا خوشنما پھول بنکر حسنِ قبول سے خراج تحسین طلب کر رہا ہے۔ خدا کرے کہ گلزارِ محبت کی طرح اسے رنگِ دوام حاصل ہو۔

جوشؔ ملسیانی

دیباچہ

یہ ایک مختصر سی نظم بہ طور "برگِ سبز است تحفۂ درویش" مجھ ناچیز کی طرف سے اربابِ ادب کی پیشِ نظر ہے۔ دیکھئے مردود ہوتی ہے یا مقبول۔ اگر حسنِ قبول حاصل ہُوا تو کہوں گا زہے نصیب۔ سخن فہم حضرات سے یہ امر مخفی نہیں۔ کہ فنِ شاعری میں علاوہ اور بہت سی خوبیوں کے ایک "سادگی" بھی شامل ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ سادگی غضب ڈھاتی ہے۔ وہ حسن جو "ٹیپ ٹاپ" یا "بناؤ سنگھار" کا مرہونِ منت ہو۔ وہ سادگی کی سی دلفریبی۔ سادگی کی سی کشش اور سادگی کی سی دل میں کھُب جانے والی ادا اپنے اندر نہیں رکھتا لیکن مشکل یہ ہے کہ سادگی صرف دیکھنے ہی میں سیدھی سادھی نظر آتی ہے مگر جب کوئی اس پری کو شیشہ میں اتارنے کی کوشش کرتا ہے تو دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سادگی جس پر اس قدر زور ہے وہ ہے کیا چیز؟ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس سلسلہ میں مقدمہ دیوانِ حالی اور دیگر عروضی کتب دیکھنا ضروری ہیں۔ تاہم ناظرین کی تکلیف کو کچھ کم کرنے کی غرض سے ایک اقتباس یہاں دیتا ہوں۔

"ہماری شاعری" میں جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب
ایم۔ اے۔ "سادگی" کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ "سادگی یعنی اس طرح مطلب
ادا کیا جائے کہ سمجھنے میں دقّت نہ ہو۔ بات کا آسانی سے سمجھ میں آجانا۔ خود
ایک طرح کی لذّت ہے۔ سادگی کا انحصار کئی چیزوں پر ہے۔ الف۔
مشکل لفظ استعمال نہ کئے جائیں۔ انہیں لفظوں سے کام لیا جائے، جن سے
زبان مانوس اور کان آشنا ہیں۔ کلام کی اسی خوبی کا نام سلاست ہے۔
مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک مضمون کو آسان لفظوں میں ادا کر دینے
کی قدرت شاعر کے کمال کی سند ہے۔ جس کلام میں یہ صفت ہوتی ہے وہ
سُننے میں جتنا آسان معلوم ہوتا ہے کہنے میں اتنا ہی مشکل ہوتا ہے اسلئے جس کلام
میں یہ صفت کمال کی حد تک پائی جاتی ہے۔ اُسے سہل ممتنع کہتے ہیں"۔

میرا بھی نصب العین سادگی ہے۔ اور جب میں نے یہ نظم کہنا شروع
کی تو حضرت حالی کے یہ اشعار میری زبان پر تھے۔ ؎

اے شعر دلفریب نہ ہو تو تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے جو نہ ہو دلگداز تو
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

میں بھی اپنے اشعار کو انہیں گنگنا گنگنا کر سناتا رہا ہوں۔ مگر نہیں کہہ سکتا کہ ان کے دل پر بھی کچھ اثر ہوا ہے یا نہیں۔ تاہم اس نظم میں بے زیب بندشیں۔ ثقیل الفاظ۔ اُلجھی ہوئی ترکیبیں اور مہمل جملے شاید نظر نہ آئینگے۔ اس سادگی کے علاوہ۔ زبان اُردو کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ جس کی تعریف فصیح الملک حضرت داغ یوں فرماتے ہیں ؂

کہتے ہیں اُسے زبانِ اُردو
جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا

دوسری بات جس کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس نظم کی شانِ نزول بتا دی جائے تاکہ نفسِ مضمون آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ برسات کی رُت تھی۔ گیسوئے لیلائے شب بکھرے ہوئے تھے۔ ابرِ سیاہ پیلِ مست کی طرح چرخِ نیلی پر جھوم رہے تھے۔ برق کی چشمک زنی غضب ڈھا رہی تھی۔ بادلوں کی ہیبت ناک گھور گرج سے شیر کا پتّا پانی ہوا جاتا تھا۔ قصّہ مختصر ایسی بھیانک رات تھی جب ایک نوجوان کی، بجلی کے ایک خوفناک کڑکے سے آنکھ کھلتی ہے۔ جب نوجوان اٹھا تو برکھا رُت کی بہار آنکھوں کے سامنے تھی۔ آخر دل ہی تو ہے نہ کہ سنگ و خشت۔ طبیعت نے اثر قبول کرلیا۔ اب

کوئی خیال تھا جو جگر میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ع
دل میں بیٹھا ہُوا ملتا ہے کلیجہ کوئی۔ سوچتا ہے۔ مگر سوچ کچھ کام نہیں دیتی
عقل لڑاتا ہے مگر عقل کام نہیں کرتی۔ حیران ہے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ کہ
دل کی پریشانی ہر لمحہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ جب ذہن پر لاکھ زور ڈالنے
سے بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ جی چاہتا تھا کہ کسی سے
دردِ دل کہکر دل کی بھڑاس نکالے مگر آدھی رات بیتے کون پاس بیٹھا تھا
اِدھر اُدھر نظر ڈالی جب کوئی نظر نہ آیا تو عالمِ یاس میں یہ مصرع زبان سے نکل
گیا۔ ع۔ نے مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم! مگر وہ کارساز مصیبت کے
وقت اپنے بندوں کی ضرور مدد کرتا ہے۔ آخر ہمارے ہیرو کو بھی اس گہری
تاریکی میں ایک روشنی دیکھائی دے گئی۔ یعنی حضرتِ دِل جو اس نظم میں ایک
جیتی جاگتی ہستی قرار دئے گئے ہیں۔ سامنے سے تشریف لاتے نظر آئے۔
ہمارے نوجوان نے اپنے ایک ہمراز دوست کو جو ایسے کڑے وقت میں آتے
دیکھا تو گویا سوکھے دھانوں پانی برس گیا۔ باچھیں کھل گئیں۔ فوراً اٹھ کر بغلگیر
ہُوا پھر پہلو میں جگہ دی۔ اسکے بعد ان دونو دوستوں میں جو راز و نیاز کی باتیں ہوئیں
وہ صفحۂ قرطاس پر اس نظم کی صورت میں آپ کے سامنے ہیں۔ واضح ہے
کہ اس نظم میں صرف تین کیریکٹرس کام کرتے نظر آئینگے یعنی طالب، مطلوب اور دل۔

اور یہ تینوں ہیں کیسے، یہ نہ پوچھئے۔ سب کے سب آتش کے پرکالے ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھکر ہے۔ کوئی کسی سے کم نہیں اپنی اپنی جگہ اپنا جواب آپ ہی ہے۔ ان ہی میں وہ گرما گرم نوک جھوک ہوگی جسے سنکر قارئینِ کرام کلیجہ تھام کر نہ بیٹھ جائیں تو ہمارا ذمہ۔

کچھ عرض نقادانِ سخن سے

حضرات آپ کی باریک بینی، تیز فہمی اور عمیق نظری کے کیا کہنے ہیں۔ ان عُقابی نظروں سے نہ آجتک کوئی چھُپ سکا ہے اور نہ آئندہ چھُپ سکیگا۔ غالب کو سرِ مشاعرہ یہ قطعہ سُنا دیا۔ ؎

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلامِ میرؔ سمجھے اور زبانِ مرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اور پھر حضرت ذوق کی بھی اس شعر سے تواضع کی گئی تھی ؎

گرچہ قندیلِ سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا ؎
ڈھانچ میں تو ہیں وہی اگلے برس کی تیلیاں

لیکن اس تحریر سے میرا ہرگز یہ منشا نہیں کہ کسی کلام پر نکتہ چینی ہی نہ ہو۔

نکتہ چینی ہو اور زور سے ہو۔ مگر اس کا ڈھنگ کبھی ایسا نہ ہو کہ جس سے
خواہ مخواہ کسی کی دل آزاری پائی جائے۔ خیر اتنا کچھ ضمناً لکھا گیا ہے ورنہ
اس ناچیز کی ہستی تو اس قابل نہیں کہ عنوانِ بحث ٹھہرے تاہم اگر ذرّہ نوازی
ہی مقصود ہو۔ یا خدمتِ ادب کا خیال زور کرتا ہو تو میں اپنے اُن احباب کا
دلی شکر گذار ہونگا۔ جو اس نظم کے عیوب و اسقام پر مجھے آگاہ فرمائینگے
چلتے ہوئے ایک بات اور عرض کرنی ہے اور وہ یہ کہ یہ نظم محض تفننِ طبع
کے لئے نہیں کہی گئی۔ بلکہ اس میں نوجوانوں کے لئے کئی ضروری باتیں
نہایت قابلِ غور ہیں۔ اور اگر انہوں نے ان پر غور کیا اور بوالہوسی کا جذبہ کسی
ایک کے دل سے بھی ہٹا تو میں اپنی محنت کو مشکور سمجھونگا۔

بسمل
خاکسار

برج لال دل

اوم

گلزارِ محبّت

وہ شبِ تار وہ چھائی ہوئی گھنگھور گھٹا　　کہکشاں تھی نہ کہیں چاند کا ملتا تھا پتا

وہ گرج ابر کی وہ رعد کا پیہم کڑکا　　سنکے ہو خوف و خطر بشر کے دل میں پیدا

گلبدن غنچہ کی مانند سمٹ جاتے تھے

اسقدر خوف کہ سائے سے لپٹ جاتے تھے

تاریکیٔ شب میں سایہ نہیں ہوتا

اسی عالم میں چھلکنے جو لگا جام سحاب — بول اُٹھے رند کہ لو مل گئی کوثر کی شراب
۲ محفلیں گرم ہوئیں بجنے لگے چنگ و رباب — چٹکیاں لینے لگا پہلوئے زاہد میں شباب
یہ سماں دیکھ کے تڑپا دلِ مضطر میرا
بن گیا منزلِ آلام و حزن گھر میرا

تھا میں اس فکر میں یہ دردِ جگر کس سے کہوں — خلشِ قلب و جگر کاہشِ جاں کس سے کہوں
۳ کوئی سُنتا نہیں فریاد و فغاں کس سے کہوں — رات دن اٹھتا ہے سینہ سے دھواں کس سے کہوں
اتنے میں دیکھتا ہوں ایک حبیب آتا ہے
دلِ بیمار کے درماں کو طبیب آتا ہے

جی میں آئی کہ ذرا حال سناؤں اس کو — زخم جتنے ہیں کلیجے میں دکھاؤں اس کو
۴ جان پر قہر جو ٹوٹے ہیں بتاؤں اس کو — دلِ پُر درد کا ہمدرد بناؤں اس کو
دیکھ کر مائلِ الطاف یہ میں نے پوچھا
کیا میرے درد کی رکھتے ہیں کوئی آپ دوا؟

کہا کچھ حال طبیعت کا سناؤ تو سہی — کیا گزرتی ہے ذرا مجھ کو بتاؤ تو سہی
۵ جوشِ سودا تو نہیں نبض دکھاؤ تو سہی — پہلے اپنا مجھے ہمراز بناؤ تو سہی
میری تدبیر دکھا دے گی کرشمہ ایسا
مرضِ عشق بھی لاحق ہو تو حاصل ہو شفا

عرض کی میں نے کہ حال اپنا سناؤں کیونکر   جو نہ تقریر میں آئے وہ بتاؤں کیونکر

پردۂ رازِ محبت ہے اٹھاؤں کیونکر   ۶   ایک تصویر جو دل میں ہے دکھاؤں کیونکر

خونِ دل آنکھوں سے ہر وقت بہے جاتا ہے

نوکِ نشتر سے کلیجا کوئی برماتا ہے

حالتِ زار پہ پھر ڈالی مسیحا نے نظر   یہ نظر وہ تھی کہ لے آئی میرے دل کی خبر

دیکھکر نبض کہا اس نے یہ مجھ سے ہنسکر   ۷   لو بتا دیتے ہیں تم کو سببِ دردِ جگر

حسنِ تشخیص میں کوئی نہیں ثانی اپنا

شک سے بالا ہے کمالِ ہمہ دانی اپنا

یہ تو کہئے کہ کبھی عشق کا آزار بھی تھا   کوئی یوسف تھا کہیں مصر کا بازار بھی تھا

بلبلِ زار کوئی تھا۔ کہیں گلزار بھی تھا   ۸   خارِ غم دل میں جگر میں کوئی سوفار بھی تھا

اپنے اُس شوخ طرحدار کو کیوں بھول گئے؟

ہو کے بلبل گل و گلزار کو کیوں بھول گئے؟

حسنِ یوسف کیلئے مصر کا بازار ہے کیوں؟   اٹی والی کسی جلوے کی خریدار ہے کیوں؟

عندلیبوں کو ہوائے گل و گلزار ہے کیوں؟   ۹   دلِ پروانہ محبت کا گنہگار ہے کیوں؟

عشق میں کچھ نہ مزا ہو تو مرے کیوں کوئی

تہمتیں سر پہ زمانے کی دھرے کیوں کوئی

قمریاں سرو پہ۔ بلبل ہے گلوں پر شیدا — غنچے کھلتے ہیں تو لیتا ہے بلائیں بھونرا
جزر و مد بحر میں ہوتا ہے قمر سے پیدا ۱۰ سوزِ الفت کا دکھاتا ہے پتنگا کیا کیا

" حق یہ ہے دل ہو تو ہو عشق کسی کا دل میں
شمع روشن ہو تو پروانہ بھی ہو محفل میں"۔

دل نہ ہوتا تو کبھی قیس نہ پیدا ہوتا — کبھی فرہاد بھی شیریں کا نہ جویا ہوتا
نہ محبت نہ کہیں عشق کا چرچا ہوتا ۱۱ گلشنِ دہر کا کچھ اور ہی نقشہ ہوتا

بستیاں ہم کو نظر آتیں بیاباں کیطرح
دیکھتے شہر کو ہم شہرِ خموشاں کیطرح

گلشنِ حسن کو پُرخار نہ سمجھے کوئی — برقِ الفت کو شرربار نہ سمجھے کوئی
عشق کو جان کا آزار نہ سمجھے کوئی ۱۲ آہِ پُرسوز کو بیکار نہ سمجھے کوئی

دردمندوں ہی کو اُلفت کا صلا ملتا ہے
بیخودی حد سے جو گذرے تو خدا ملتا ہے

شاد ہو شاد تجھے خلد میں جانا نہ پڑا — یہ سفر بارِ گراں تھا جو اُٹھانا نہ پڑا
آبِ زمزم کہیں جاکے تجھے لانا نہ پڑا ۱۳ کسی مندر میں بھی ناقوس بجانا نہ پڑا

شکر کی جا ہے تجھے حور یہیں ملتی ہے
باغِ فردوس کی دنیا میں کلی کھلتی ہے

جس پہ شیدا ئمہ کامل ہو۔ وہ اختر ایسا — ہفت دریا کا جو حاصل ہو وہ گوہر ایسا
سامری بھی جسے مانے وہ فسونگر ایسا ۱۴ جس کا بیمار مسیحا ہو وہ دلبر ایسا

جو ادا ہے وہ زمانے سے نرالی اُسکی
ہر پھبن موتیوں میں تولنے والی اُسکی

مانتا ہوں یہ حقیقت کہ پری زاد ہے وہ — سر بسر رنگِ رخِ حسن خداداد ہے وہ طالب
مگر افسوس کہ اک بانیٔ بیداد ہے وہ ۱۵ خوگرِ جور ہے، بیدرد ہے۔ جلاد ہے وہ!!

بے مروت ہے، مروت سے اُسے کام نہیں!
دل میں ظالم کے محبت کا کہیں نام نہیں!

یاس و حرماں کی گھٹا چھائے بلا سے اُسکی — تیر پر تیر کوئی کھائے بلا سے اُسکی
موت فرقت میں اگر آئے بلا سے اُسکی ۱۶ کوئی مرتا ہے تو مرجائے بلا سے اُسکی

آئینہ سامنے ہو اور ہو کنگھی چوٹی
کیا غرض اس سے کہ منزل ہو کسی کی کھوٹی

ہائے کیا حال کہوں اُسکی جفا کاری کا — چرخ سیکھے گا ابھی ڈھنگ ستمگاری کا
نازو غمزے میں وہ انداز ہے مکاری کا ۱۷ دعویٰ رہتا نہیں عیاروں کو عیاری کا

ایسا دم باز۔ دل آزار نہ دیکھا نہ سنا
ایسا بیدرد و جفا کار نہ دیکھا نہ سنا

۱۸ پہلے تو جام محبت کا پلایا دل کو — میٹھی باتوں سے اداؤں سے رِجھایا دل کو
سبز باغ ایک نیا روز دکھایا دل کو — جس طرح اُس سے بنا خوب بنایا دل کو
پھر وہ رنگ اور وہ پر پُرزے نکالے اُس نے
لیکے دل ڈال دیئے جان کے لالے اُس نے

۱۹ کبھی اٹھلا کے وہ مہ رو جو چلا کرتا تھا — اپنی رفتار سے اِک حشر بپا کرتا تھا
جب وہ آرائشِ گیسوئے دوتا کرتا تھا — دیدۂ شوق یہ گھبرا کے کہا کرتا تھا
"کاش برہم نہ شود کاکُلِ جانانۂ ما!
تابِ زنجیر نہ دارد دلِ دیوانۂ ما!!"

۲۰ "دُور ہو دُور" وہ حبیب مجھ سے کہا کرتا تھا — طرزِ گفتار پہ میں جان فدا کرتا تھا
کڑی باتوں کو بھی چُپ چاپ سُنا کرتا تھا — لب شکایت میں کسی وقت نہ وا کرتا تھا
دل اُسی حُسن خداداد کا دیوانہ تھا
شمع تھی جلوہ فگن وجد میں پروانہ تھا

۲۱ وہ بگڑنا وہ اُلجھنا وہ جفائیں اُس کی — ہائے وہ ناز وہ غمزے وہ ادائیں اُسکی
رُوٹھ جانا تو میں لیتا تھا بلائیں اسکی — دل سمجھتا تھا جفاؤں کو وفائیں اسکی۔
وہی کرتا تھا محبت جو کہا کرتی تھی
جان اُس شوخ کی مُٹھی میں رہا کرتی تھی

بخدا میں نے خدا اس کو بنا رکھا تھا — کعبۂ دل میں اسی بت کو بٹھا رکھا تھا

۲۲ گو ستمگر نے شرارت کو روا رکھا تھا — میں نے لیکن یہ گلہ دل سے بھلا رکھا تھا

"لب پہ رہ جاتی تھی آ آ کے شکایت اسکی

منہ سے کچھ کہنے نہ دیتی تھی محبت اسکی"

سنگِ در کو میں سمجھتا تھا کہ مندر ہے یہی — سجدہ کرنا جسے واجب ہے وہ پتھر ہے یہی

۲۳ سرِ جبرئیل جہاں جھکتا ہے وہ در ہے یہی — مست ہوں جس سے فرشتے بھی وہ کوثر ہے یہی

شکل یوں دل میں تھی اس شوخ پری پیکر کی

جیسے مندر میں دھری ہو کوئی مورت ہر کی

چاند کو دیکھ کے کہتا تھا یہی ہے وہ حسیں! — سیرِ افلاک کو نکلا ہے میرا ماہ جبیں!

۲۴ خوف ہے عشق میں نہ آ جائے کہیں روح امین — اسکے پھندے میں فرشتے بھی نہ پھنس جائیں کہیں

دلِ شیدا کا غرض دھیان جدھر جاتا تھا

جلوہ آرا وہی محبوب نظر آتا تھا

دیکھ لیتا تھا کبھی میں جو شرارت اسکی — دل کو سمجھاتا کہ یہ خو ہے یہ عادت اسکی

۲۵ کسکو معلوم تھا جھوٹی ہے محبت اسکی — ورنہ ہوتی نہ میرے دلمیں بھی چاہت اسکی

خود گلا تیغ ستمگر پہ نہ دھرتا میں بھی

بے وفا ظالم و بدخو پہ نہ مرتا میں بھی

قصۂ دردِ نہاں اپنا سناتا ہوں تمہیں   باعثِ نالہ و فریاد بتاتا ہوں تمہیں
لو سنبھل جاؤ کہ بسمل سا بناتا ہوں تمہیں ۲۶ ہاں ابھی عرش کو لرزہ میں دکھاتا ہوں تمہیں

اب بتاتا ہوں بدلتا ہے زمانہ کیسے
تیرِ غم دل کا اڑاتا ہے نشانہ کیسے

ایک دن آیا لبِ بام جو وہ ماہ لقا   عید کا چاند نکل آیا ہے یہ شور اٹھا
میں جو بیچین ہوا دیکھ کے کافر کی ادا ۲۷ یک بیک ہائے نظر پھیر کے ظالم نے کہا

آنکھ پھوٹے جو ہمیں آنکھ سے دیکھے کوئی
کٹ کے گر جائے زباں بولے جو ہم سے کوئی

ہاتھ پھیلاتے ہو کیوں کیا کوئی داتا ہے یہاں   منہ اٹھائے جسے دیکھو چلا آتا ہے یہاں
کیا پسِ پردہ کوئی شکل دکھاتا ہے یہاں ۲۸ یا کوئی حسن کی دولت کو لٹاتا ہے یہاں

روز کیا دیکھتے رہتے ہو یہاں آ آ کر؟
جہاں رہتے ہو وہیں کیوں نہیں مرتے جا کر!!

طعن اس شوخ کے سن سن کے میں حیران رہا   دیر تک بت کی طرح کیا کہوں بیجان رہا
بات کرنے کا نہ باقی کوئی امکان رہا ۲۹ عقل کا ہوش کا شیرازہ پریشان رہا

بیکسی میں جو کہا یاس نے میں آتی ہوں!
رخصت امید نے مانگی کہ میں اب جاتی ہوں!

وا دریغا مری اُمیّدِ کرم ٹوٹ گئی! دل مرا بیٹھ گیا نبض مری چھوٹ گئی!
بیکسی آ کے مرا شیشۂ دل کوٹ گئی! ۳۰ کیا کہوں آپ سے تقدیر ہی بس پھوٹ گئی!

ایسا بے حِس و پریشاں میں کھڑا تھا در پہ!
جسطرح سوختہ ساماں کسی صحرا کا شجر!

نہ بنا کچھ تو دلِ زار کو لیکر میں چلا! ہائے دم توڑتے بیمار کو لیکر میں چلا!
باغ سے گُل کی جگہ خار کو لیکر میں چلا! ۳۱ زخم میں ناوک و سوفار کو لیکر میں چلا!

شام غربت تھی نصیبوں میں وطن چھوٹ گیا!
وائے تقدیر کہ بُلبُل سے چمن چھوٹ گیا!!

مُدّتوں پھر وہ جفا کیش نہ بولا ہرگز عقدۂ رنجشِ بیجا کو نہ کھولا ہرگز
دلِ عاشق کو کبھی پھر نہ ٹٹولا ہرگز ۳۲ سچ کے پلڑے پہ حقیقت کو نہ تولا ہرگز

لیکن آئینِ مروت کو نہ چھوڑا میں نے
منہ ستمگر کی محبت سے نہ موڑا میں نے

محو اسی فکر میں رہنے لگا میں آٹھ پہر مانگا کرتا تھا دُعا حق سے یہی شام وسحر
اے خدا دے میری فریاد کو اس درجہ اثر ۳۳ خود بخود پوچھے مرا حال وہ بدخو آکر

اور کہے پیارے کیوں آٹھ پہر روتا ہے
رنج کس بات کا ہے جان کو کیوں کھوتا ہے

کون تھا وہ جو تجھے آکے ارے لوٹ گیا کیا ہوا تجھکو جو سب صبر و سکوں چھوٹ گیا
آبگینہ تیری امید کا کیوں پھوٹ گیا ۳۴ کیا وہ افتاد پڑی دل پہ جو دل ٹوٹ گیا

پر ستمگر نے کبھی بات نہ پوچھی آکر
کب کنوآں پانی پلاتا ہے کسی کو جاکر

اب یہ تھا حال کہ جنت بھی نہ بھاتی تھی مجھے آگ دوزخ کی شب و روز جلاتی تھی مجھے
صبح شام آکے شفق خون رُلاتی تھی مجھے ۳۵ شکلِ شمشاد کی سولی پہ چڑھاتی تھی مجھے

رنگ چہرے کا شب و روز اڑا جاتا تھا
کثرتِ گریہ سے دم ناک میں آجاتا تھا

یہی خواہش تھی کہ ہستی سے گذر جاؤں ابھی اُسکی دہلیز سے سر پھوڑ کے مر جاؤں ابھی
موت کے گھاٹ بصد شوق اتر جاؤں ابھی ۳۶ اپنی قسمت کا جو بھرنا ہے وہ بھر جاؤں ابھی

پھر کیا خیال کہ گو کوہِ الم بھاری ہے
جان یوں مفت میں کھونا بھی گنہگاری ہے

گو رہا زندہ مگر حال نہایت تھا زبوں تن میں کچھ تاب نہ تھی دل میں نہ تھا صبر و سکوں
رات دن آنکھ سے بہتے رہے اشکِ پُرخوں ۳۷ قیس بھی دیکھ کے کہنے لگا مجھ کو مجنوں!

اتنی تبدیل ہوئی شکل و شباہت میری
آئینہ دیکھ کے حیران تھا صورت میری!!

یہ میرا حال جو دیکھا تو احبّا نے کہا — کیا وہ مشکل ہے کہ یوں مرتا ہے تو مردِ خدا!
ہو نہ بے عقل۔ زخود رفتہ نہ بن ہوش میں آ ۳۸ — یہ مرض وہ نہیں جسکی نہ ملے کوئی دوا

اسی دنیا میں دکھا دینگے ہم ایسی صورت
اہلِ جنّت بھی جسے دیکھیں بچشمِ حیرت

بستیاں عشق کے ہاتھوں ہوئیں برباد بہت — لیکن اب بھی ہیں زمانے میں پری زاد بہت
لذّتِ نغمۂ "کوکو" ہے تو شمشاد بہت ۳۹ — حسرتِ تیرِ دو پہلو ہے تو صیّاد بہت

تم کسی اور کو غمخوار بنا لو اپنا
دل کے بہلانے کو دلدار بنا لو اپنا

کسی ظالم۔ کسی جلاّد پہ مرتے کیوں ہو؟ — تم محبّت کسی بیدرد سے کرتے کیوں ہو؟
دشمنِ عقل ہو کیا جی سے گذرتے کیوں ہو؟ ۴۰ — ہاں قدم وادیٔ پُر خار میں دھرتے کیوں ہو؟

دل کوئی دے تو اُسے جسکو ہو اُلفت دل سے
اس سے کیا کام نہ ہو جسکو محبت دل سے

ہم تو حیران ہیں معشوق ستاتے کیوں ہیں — عاشقِ سوختہ ساماں کو جلاتے کیوں ہیں
خود جو مٹ جائے اُسے اور مٹاتے کیوں ہیں ۴۱ — جوہرِ خنجرِ خوں ریز دکھاتے کیوں ہیں

ہائے کس چیز کا رکھتے ہیں یہ دل پہلو میں
کوئی فولاد کا ٹکڑا ہے کہ سِل پہلو میں

سامنے داورِ محشر کے بھی جانا ہو گا — انہیں عُشّاق کو واں منہ بھی دکھانا ہو گا
سببِ جور و ستم ان کو بتانا ہو گا — ۴۲ بُرے اعمال کا خمیازہ اُٹھانا ہو گا
ایسے جلّادوں کا انجام نہ جانے کیا ہو
ظلم کرنے کے سوا کام نہیں ہے جنکو

لو سنو بات مری اور یہ جھگڑا چھوڑو — توسنِ فکر کو اس راہِ گذر سے موڑو
لے وفا۔ ظالم و بدخوئے محبت توڑو — ۴۳ اور کسی مائلِ الطاف سے رشتہ جوڑو
عیش ہی عیش میں پھر عمر کٹے گی ساری
خواب میں بھی نہ کرو گے کبھی آہ و زاری

عرض کی میں نے کہ یہ خوب سجھائی مجھکو — شبِ تاریک میں اک شمع دکھائی مجھکو
جو کسی کو بھی نہ سوجھی وہ بتائی مجھکو — ۴۴ نظر آتی ہے بہت اس میں بھلائی مجھکو
بات اچھی ہے مگر ایک بڑی مشکل ہے
کہ میرے پہلو میں نے دے کے یہی اک دل ہے

آگ پیدا نہیں ہوتی کبھی چندن سے جناب — سوکھ جانے پہ بھی جاتی نہیں خوشبوئے گلاب
دیکھئے لوگ بنا دیتے ہیں مچھلی کے کباب — ۴۵ پھر بھی ہر عضو کی فطرت میں ہے بس آب ہی آب
موم سا دل ہے بنا دوں اسے پتھر کیونکر
یہ گُلِ تر بھلا بن جائے گا اخگر کیونکر

ایک دن پھر یہ کہا دل نے کہ جاؤ تو سہی — کچھ پتا اسکی طبیعت کا لگاؤ تو سہی
دو گھڑی اُسکی سنو۔ اپنی سناؤ تو سہی ۴۶ داغ جتنے ہیں کلیجے میں دکھاؤ تو سہی

لیکن اُس شوخ کا دل بحرِ محبّت سمجھو
تھاہ مِل جائے جو اسکی تو غنیمت سمجھو

ہو کے مجبور سوئے کوچۂ دلدار چلا — چارہ سازی کیلئے صورتِ بیمار چلا
جانبِ صحنِ چمن مُرغِ گرفتار چلا ۴۷ عقل پر کہتی تھی ہر بار کہ بیکار چلا

وہ تواضع کا ہے خوگر نہ مداراتوں کا
اور ہدف الٹا بنائیگا کڑی باتوں کا

درِ جاناں پہ یہ سوچا کہ مناؤں کیونکر — چیر کر اپنا جگر اُس کو دکھاؤں کیونکر
جونک پتھر پہ لگاؤں تو لگاؤں کیونکر ۴۸ روئے دریا پہ کوئی نقش بٹھاؤں کیونکر

آہ سنتا ہے وہ جلاّد نہ فریاد مری!
ہوئی جاتی ہے جوانی یونہی برباد مری!!

یہ مصیبت یہ بُرا حال رہیگا کب تک — دلِ محزوں غم و اندوہ سہےگا کب تک
چشمِ بیمار سے دریا یہ بہے گا کب تک ۴۹ اشکِ حسرت مری رُوداد کہیگا کب تک

غم و حرماں کی چھُری سینہ پہ چل جائیگی
حسرتِ دل کی جگہ جان نکل جائیگی

اسی اندیشہ میں آخر اُسے جا کر دیکھا کانپتے ہاتھوں سے چلمن کو ہٹا کر دیکھا
حلقۂ در بھی ستمگر کا ہلا کر دیکھا ۵۰ مگر اس شوخ نے بھولے سے نہ آکر دیکھا

اسقدر شور پھر آہوں سے مچایا مَیں نے
فتنۂ روزِ قیامت کو جگایا مَیں نے

جب سُنا شور تو وہ گھر سے نکل کر آیا سامنے آیا مگر آپے سے باہر آیا
پُر غضب، چین بہ جبیں، دست بہ خنجر آیا ۵۱ یہ زمیں ہل گئی اسطور ستمگر آیا

مَیں تو کیا سارے زمانہ پہ اک آفت تھی بپا
فتنۂ روزِ قیامت پہ قیامت تھی بپا

ابروے یار کماں بنکے کھنچے جاتے تھے تیر پہ تیر نگاہوں کے چلے آتے تھے
اسکے بپھرے ہوئے انداز ستم ڈھاتے تھے ۵۲ بگڑے تیور تو قیامت کی خبر لاتے تھے

دل سے آواز یہ اُٹھّی کہ خدا خیر کرے
مجھ پہ ناحق یہ ستمگر کوئی تہمت نہ دھرے

ایسی ہر سمت گھٹا غیظ و غضب کی چھائی میں یہ سمجھا کہ زمانے پہ قیامت آئی
بن گیا خوف سے دیوانہ۔ بڑی سودائی ۵۳ ہوش کچھ تن کا نہ تھا لب پہ نہ تھی گویائی

موت تھی سامنے اور غیظ میں وہ قاتل تھا!
رنج تھا۔ یاس تھی۔ حسرت تھی۔ الم تھا دل تھا!!

پھر یہ سوچا کہ اگر جان یونہی جانی ہے — اگر اس جرمِ محبت کی سزا پانی ہے
چوٹ برچھی کی کلیجہ پہ اگر کھانی ہے — ۵۴ — بیکسی ہی ہیں اگر سر پہ قضا آنی ہے
مرتے مرتے ہوئے کچھ حال سُنا تو جائیں
چیر کر اپنا جگر اسکو دکھا تو جائیں

میں نے پھر اس سے کہا آنکھ ملاؤ تو سہی — پُر غضب کیوں ہو اجی ہوش میں آؤ تو سہی
کیا کہا غیر نے تم سے وہ بتاؤ تو سہی — ۵۵ — پردۂ راز مری جان اٹھاؤ تو سہی
کیا خطا مجھ سے ہوئی کونسی تقصیر ہوئی
جو مری جان کی دشمن مری تقدیر ہوئی

خواب میں آکے کہیں میں نے ستایا تو نہیں؟ — زلفِ مشکیں کو کہیں ہاتھ لگایا تو نہیں؟
لبِ لعلیں کا کہیں رنگ اُڑایا تو نہیں — ۵۶ — سوتے فتنے کو شبِ وصل جگایا تو نہیں؟
یہ خطائیں ہیں تو سر تن سے جدا کر دیجئے
اس گنہگار کی ہستی کو فنا کر دیجئے

طیش سے بولا کہ اتنی نہ زباں تیز کرو — اس قدر شاخِ تکلّم کو نہ گلریز کرو — مطلوب
بات کرنی ہے تو کچھ مصلحت آمیز کرو — ۵۷ — اپنی ہستی کو نہ اتنا شرر انگیز کرو — 1
اسطرح غیر سے باتیں کبھی کرتا ہے کوئی
اسقدر شرم و حیا سے بھی گذرتا ہے کوئی

ہاں ذرا ہم کو بتا کیا ہے تیرا کام یہاں   اسطرف راہ گذر ہے نہ ادھر تیرا مکاں
چل کے آیا ہے بڑا آشفتہ جگر سوختہ جاں ۵۸ تیغ چلتی ہے کہ چلتی ہے تیرے منہ میں زباں

ہم جو بگڑے تو بگڑ جائیگی قسمت تیری
اپنا سر پیٹ کے رہ جائیگی حسرت تیری

طالب

یہ سخن سُن کے ہوا آنکھ سے جاری دریا   ہچکیاں آنے لگیں ہوش نہ کچھ تن کا رہا
تھام کر اپنا کلیجا میں وہیں بیٹھ گیا ۵۹ مُردنی چھا گئی چہرے پہ۔ نظر آئی قضا

لبِ خاموش پکار اُٹھے کہ بیداد نہ کر
ایک بیکس کی تمناؤں کو برباد نہ کر

شکر ہے رحم کچھ آیا تو کہا۔ کہتا ہے کیا   کیا یہ اُفتاد پڑی کرتا ہے کیوں آہ و بکا
گھیر رکھا ہے بلاؤں نے تو یہ مانگ دُعا ۶۰ اے خدا موت کے پنجے سے مجھے جلد چھُڑا

بات سچی ہو تو سچے کی خدا سُنتا ہے
جھوٹا انسان وگرنہ یونہی سر دھُنتا ہے

حوصلہ پا کے یہ کی عرض کہ اے جانِ جہاں   حالِ دل کہنے کا یارا نہیں ساکت ہے زباں
دیکھکر رنگ زمانے کا بہت ہوں حیراں ۶۱ مری آنکھوں نے وہ دیکھا کہ نہ تھا جسکا گماں

جس سے امید کرم تھی وہ ستمگر نکلا
میں نے سمجھا تھا جسے موم وہ پتھر نکلا

دردمندوں کو مری جان ستانا ہے بُرا — قہر ڈھانا ہے بُرا جی کا جلانا ہے بُرا
چاہنے والے کی ہستی کو مٹانا ہے بُرا ۶۲ مئے اُلفت کی جگہ زہر پلانا ہے بُرا

چین پاتے نہیں عاشق کو ستانے والے
سچ سمجھنا اسے او جی کے جلانے والے

پیار کرتے ہو جسے دل سے اُسے پیار کرو — غیر سے ملکے مجھے جینے سے بیزار کرو
مجھ سے۔ جی چاہے تو ہر بات پہ تکرار کرو ۶۳ میری تُربت بھی مگر کوچے میں تیار کرو

تنگ آیا ہوں جفاؤں سے بہت ماہ جبیں
رہ نہیں سکتی تنِ زار میں اب جانِ حزیں

اے ظالم تُو ذرا سوچ یہ کیا کرتا ہے — برق بنکر میری ہستی کو تباہ کرتا ہے
دیکھ وہ تیر جو سینہ میں چُھپا کرتا ہے! ۶۴ دیکھ وہ درد جو اک حشر بپا کرتا ہے!

بے وفا تُو ہے مگر میں تو وفا کرتا ہوں
دِل بھر آتا ہے تو قسمت کا گِلہ کرتا ہوں

تیری شمشیر جو رُک رُک کے چلا کرتی ہے — موت بالیں پہ کھڑی ہاتھ مَلا کرتی ہے
دِل بھی کُڑھتا ہے طبیعت بھی جَلا کرتی ہے ۶۵ پھر بھی کہتا ہوں کہ تقدیر بھلا کرتی ہے

خنجرِ ناز کا منہ زخمِ گلو چُومتا ہے
لاشہ مخمور کی مانند کھڑا جھومتا ہے

قصۂ دردِ جگر اُس کو سنایا میں نے　　چیر کر دل کو ہر اک زخم دکھایا میں نے
٦٦ اپنا غم گریۂ پیہم سے جتایا میں نے　　ہفت افلاک کو نالوں سے ہلایا میں نے

رنگ ڈھلتے ہوئے اشکوں نے جمایا آخر
پچھلی باتوں کا اُسے دھیان کچھ آیا آخر

مطلوب
کہا سب جھوٹ کہ تو ہم پہ مرا کرتا ہے　　سبز کھیتی تو کہیں اور چرا کرتا ہے
٦٧ دم کسی اور کی اُلفت کا بھرا کرتا ہے　　سر تو قدموں میں کہیں اور دھرا کرتا ہے

دل ترا جس نے اڑایا وہ پری زاد ہے اور
وہ ستمگر وہ جفا کش وہ صیاد ہے اور

طالب
یہ سنا میں نے جو بہتان تو غصہ سے کہا　　ہاں بتاؤ تو ذرا کس سے سنا ہے ایسا
٦٨ اپنی آنکھوں سے میری بزم ہوس کو دیکھا　　یا گلی کوچے میں ہوتا تھا کہیں پر چرچا

ہائے دشمن نے یہ بے پر کی اڑائی کیسی
ہائے چھوڑی ہے فلک پر یہ ہوائی کیسی

سوتے فتنوں کو یونہی لوگ جگا دیتے ہیں　　باتوں باتوں ہی میں طوفان اٹھا دیتے ہیں
٦٩ پربت اک بات میں رائی کو بنا دیتے ہیں　　سرسوں پھولی ہوئی ہاتھوں پہ جما دیتے ہیں

بات دشمن کی کبھی بھول کے مانے نہ کوئی
بلا تقصیر تو ہاں لڑنے کی ہٹانے نہ کوئی

حیف ہے تجھکو میرے دل کی خبر کچھ بھی نہیں ! — نخلِ شاداب محبت کا ثمر کچھ بھی نہیں !
جذبۂ اُلفتِ صادق کا اثر کچھ بھی نہیں ! ۷۰ — دردِ دل کچھ بھی نہیں دردِ جگر کچھ بھی نہیں !

اہلِ دل جو ہیں غریبوں کی سُنا کرتے ہیں
اور کچھ کر نہیں سکتے تو دعا کرتے ہیں

ہیں تو سو جان سے اے جان فدا ہوں تجھ پر — کسطرح تجھکو دکھاؤں غمِ دل دردِ جگر
دیدہ و دل میرے دونوں ہیں فقط تیرا ہی گھر ۷۱ — تو رہا یا کہ پری اُٹھتی نہیں میری نظر

تیرے ہی در کو سمجھتا ہوں درِ باغِ ارم
میری جان تیری قسم حق کی قسم سر کی قسم

کٹ گیا دل بخدا جس سے وہ خنجر تو ہے — ہے کلیجے میں خلش جسکی وہ نشتر تو ہے
غوطے جسکے لئے کھاتا ہوں وہ گوہر تو ہے ۷۲ — جان جس پہ ہے فدا میری وہ دلبر تو ہے

دین و دُنیا کو تیرے غم میں بُھلا رکھا ہے
خوفِ عُقبیٰ بھی ارے دل سے اُٹھا رکھا ہے

کُن کے پردے میں سُنا کرتا ہوں تقریر تیری — لکھا قسمت کا بدل دیتی ہے تحریر تیری
جھگڑے دُنیا کے چُکا دیتی ہے شمشیر تیری ۷۳ — تجھکو تصویر بنا دیتی ہے تصویر تیری

کھلتے رہتے ہیں ارماں تیرے خنجر سے
لپٹی رہتی ہے میری جان تیرے خنجر سے

حکوب

بولے کیا خوب پسند آئی ہے تقریر مری — تیری قسمت کا لکھا بن گئی۔ تحریر مری
غم سے آزاد تجھے کرتی ہے شمشیر مری ۴۴ زندگی بخش ہے تیرے لئے تصویر مری

ایسی باتوں میں کسی اور کو لینا جا کر
ایسے چکمے ہاں کسی اور کو دینا جا کر

واہ کیا بات ہے کیا بات بنانے آئے — خوب تم نقشِ محبت ہو جھٹانے آئے
کیا عجب چوٹ کلیجے کی دکھانے آئے ۴۵ کیوں نہیں کہتے کہ ہیں آگ لگانے آئے

ایسے ہی فتنوں سے چلتی ہی قیامت بچکر
یہی شر تھے کہ عزازیل کو تھا جن سے خطر

لاکھوں ہی بار کہا ہم سے نہ بولے کوئی — دفترِ شکوۂ بیداد نہ کھولے کوئی
یوں نہ اندھوں کیطرح ہمکو ٹٹولے کوئی ۴۶ میٹھی باتوں میں عبث زہر نہ گھولے کوئی

جو سنے اُس سے کہو رام کہانی اپنی
کیوں سُناتے ہو مجھے مرثیہ خوانی اپنی

ہم نہ آئے ہیں نہ اِس پیچ میں آئینگے کبھی — غم و اندوہ کے صدمے نہ اٹھائینگے کبھی
جان کو قیدِ محن میں نہ پھنسائینگے کبھی ۴۷ بھوکے رہ لینگے مگر زہر نہ کھائینگے کبھی

کبھی صیّاد سے پالا نہ پڑے بُلبُل کو
نہ کبھی الفتِ گلچیں کا ہو سودا گُل کو

عشق باز اپنی ہی باتوں میں لگا لیتے ہیں ۷۸ جال میں حُسن کے طائر کو پھنسا لیتے ہیں
بھولی چڑیا کو یہ دانوں پہ ہلا لیتے ہیں اپنا مقصود شرارت سے یہ پا لیتے ہیں

ہم تو کہتے ہیں کہ ناداں اگر ہیں تو حسیں
فتنہ سازونکی یہ چالونکو سمجھتے ہی نہیں

ایسے بیحال کہ مطلق نہیں کچھ اپنی خبر بُت حقیقت میں بنے سحر کیا وہ ان پر
طعن و تشنیع کا احساس نہ گالی کا اثر ۷۹ سختیاں اتنی سہیں ہو گیا پتھّر کا جگر

اُب تو یہ ایسا دہن ہے کہ زباں جسمیں نہیں
اُور زباں بھی ہے تو ایسی کہ فغاں جسمیں نہیں!

کیوں بھلا ایسے غریبوں کو ستائے کوئی کیوں انہیں شمع کے مانند رُلائے کوئی
کیوں اُنہیں غیظ و غضب اپنا دکھائے کوئی ۸۰ کیوں انہیں آتشِ غم دے کے جلائے کوئی

یہ وُہ ہیں زُہرا جبیں قدر نہیں جنکی کہیں!
تھے کبھی عرش نشیں بنگئے؟ اب خاک نشیں!

ظلم صیّادِ ستم پیشہ نے ڈھائے کیا کیا داغ پر داغ عنادِل نے اٹھائے کیا کیا
سینکڑوں ظلم جو ہوں۔ کوئی سنائے کیا کیا ۸۱ روتے ہیں سُنکے انہیں۔ اپنے پرائے کیا کیا

اور ستم یہ ہے کہو اُس سے جو۔ بیداد نہ کر
تو گلا گھونٹ کے کہتا ہے کہ فریاد نہ کر

پھونک دیتی ہیں یہ پر نوچ کی گلخن میں کہیں آگ دم بھر میں لگادیتے ہیں گلشن میں کہیں

ذبح کرتے ہیں عنادل کو نشیمن میں کہیں ۸۲ گھر کی صورت بھی پلٹ دیتی ہیں مدفن میں کہیں

دلِ غمگین پہ یہ ڈھاتے ہیں مصیبت کیا کیا!

آہ غریبوں کو یہ دیتے ہیں اذیت کیا کیا!

ایسے عیاروں سیہ کاروں سے بیزار رہے انکے سائے سے بھی انسان خبردار رہے

کوئی زردار بنے یا کوئی نادار رہے ۸۳ فتنہ انگیزیِ عشاق سے ہشیار رہے

عمر بھر کانٹوں پہ چلنے سے تو مرنا بہتر

آگ پر لوٹنے سے جی سے گذرنا بہتر

گندی باتوں میں نہ یوں وقت گذارو اپنا بھوت جو سر پہ چڑھا ہے وہ اتارو اپنا

عملِ نیک سے انجام سنوارو اپنا ۸۴ نقدِ دل پریم کی چوسر پہ نہ ہارو اپنا

جاؤ بس راہ لگو اور کوئی کام کرو

کام کچھ اور نہیں تم کو تو آرام کرو

غرض کی ہیں نے یہ تُو کام کا ہے کام مجھے آپ مل جائیں تو آجائیگا آرام مجھے طالب

موت کے منہ میں لئے جاتی ہے ہر شام مجھے ۸۵ صبحِ امید دکھادے مرے گلفام مجھے

لاکھ نعمت ہے اِن آنکھوں کا اشارہ مجھکو

ایک تنکے ہی کا مل جائے سہارا مجھکو

سچ کہا آپ نے ہیں مرد جفاکار بہت ۔ لے کے دل دیتے ہیں کمبخت یہ آزار بہت

ان میں جلّاد بہت ۔ ان میں ستمگار بہت ۸۶ انمیں بیدرد بہت ۔ ان میں گنہگار بہت

بوالہوس اور مگر عاشقِ جانباز ہیں اور

جنکو مضراب کی حاجت نہیں وہ ساز ہیں اور

جادو ٹونے سے جو دل رام کیا کرتے ہیں ۔ عشق کے نام کو بدنام کیا کرتے ہیں

بوالہوس ہیں ۔ ہوسِ خام کیا کرتے ہیں ۸۷ دل کی تضحیک یہ خود کام کیا کرتے ہیں

یہ بھلا مرتبۂ عشقِ صنم کیا جانیں!

وادیٔ عشق میں یہ رکھنا قدم کیا جانیں!

صادق العشق بنے بزم میں پروانے کہیں ۔ جھک گئے دیدۂ میگوں پہ یہ مستانے کہیں

سنگ ساری کیلئے ہوگئے دیوانے کہیں ۸۸ برق چمکی تو یہ خود بنگئے کاشانے کہیں

رنگ بھاتا ہے جو دلبر کو رنگا لیتے ہیں

موت میں بھی یہ خوشی دیکھو یہ منا لیتے ہیں!

اپنے دلبر کو مری جان ستانا کیسا؟ ۔ شمع سوزاں کی طرح اسکو رلانا کیسا؟

آنکھ نرگس کو گلستاں میں دکھانا کیسا ۸۹ پر کتر کر کسی بلبل کو اڑانا کیسا؟

صادق العشق تو خود زہر پیا کرتے ہیں

یہ کفن منہ پہ بصد شوق لیا کرتے ہیں

مطلوب

بولے "ہاں سچ ہی سب ایسی ہی وفا کرتے ہیں" پہلے دریا ہی فصاحت کے بہا کرتے ہیں"

۹۰ جب گزر جاتے ہیں کچھ دن تو دغا کرتے ہیں عہد سے۔ قول سے۔ وعدے سے پھرا کرتے ہیں"

ایسے عیّاروں دغابازوں سے اُلفت کیسی

دشمنِ جان جو ہوں اُن سے محبت کیسی!

خوب سُن رکھ مرے دل میں نہیں اُلفت تیری بھاڑ میں جائے یہ دنیائے محبّت تیری

۹۱ خوب معلوم ہے کیسی ہے طبیعت تیری چکنی شے پر ہے پھسل پڑنے کی عادت تیری

تُو مرے بھی تو میری آنکھ سے آنسو نہ گرے

آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں تری پُتلی جو پھرے

مطلب

سنکے ظالم کی یہ تقریر جگر بیٹھ گیا جسمیں لاکھوں تھیں تمنّائیں وہ گھر بیٹھ گیا

۹۲ بنکے اِک تیرِ قضا۔ تیرِ نظر بیٹھ گیا دونوں ہاتھوں سے میں بس تھام کے سر بیٹھ گیا

مُنہ سے نکلی یہ دُعا بارِ خُدایا مدد دے

ہے سفینہ میرا گرداب میں آیا مدد دے

عالمِ یاس میں پھر خالقِ اکبر سے کہا۔ رحم کر رحم مجھ عاصی کی مصیبت پہ ذرا

۹۳ مجھ پہ جب تک نہ کُھلے گا درِ احسان و عطا پایۂ عرش نہ چھوڑیگی میری آہِ رسا

غیب سے آئی صدا۔ کیوں ہے تو اتنا بیدل

وقت آتا ہے کہ آسان ہو تری مشکل

جب غشی ٹوٹی تو کچھ اور ہی عالم دیکھا — نرگسی آنکھ کو اس آنکھ نے پُرنم دیکھا
آہیں بھرتے ہوئے اُس شوخ کو پیہم دیکھا ۹۴ دلِ بدبخت نے یہ اور نیا غم دیکھا

میں نے گھبرا کے کہا بہرِ خدا غم نہ کرو
یہ کنول پھول میرے سامنے پُرنم نہ کرو

آتشِ غم سے بچو۔ جی کو جلاتے کیوں ہو — آپ رو رو کے مجھے اور رُلاتے کیوں ہو
غم کا پہلو یہ نیا اور دکھاتے کیوں ہو ۹۵ ہو کے افسردہ میرے دم پہ بناتے کیوں ہو

یہ نئے رنج کے پہلو نہیں دیکھے جاتے
نرگسی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھے جاتے

اسطرف دیکھو وہ ساون کی گھٹا آتی ہے — سوکھے دھانوں کو یہ پیغامِ بقا لاتی ہے
تان کوئل کی مرے ہوش لیئے جاتی ہے ۹۶ اور پپیہے کی صدا دل پہ غضب ڈھاتی ہے

تو چلو ہم بھی کسی باغ میں گلگشت کریں
بھول جائیں غم و اندوہ کو آہیں نہ بھریں

عالمِ نور ہے کیا کالی گھٹا چھائی ہے — پھول ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں بہار آئی ہے
اب تو دشمن نے بھی ملنے کی قسم کھائی ہے ۹۷ بوئے گل آپ ہی بلبل کو بلا لائی ہے

جام کچھ عشق و محبت کے پلا دو تم بھی
حوضِ کوثر پہ مجھے چلکے بٹھا دو تم بھی

جب کبھی جھوم کے مستانہ گھٹا آتی ہے — رقص کرتی ہوئی جب بادِ صبا آتی ہے
جب کسی شاخ سے کوئل کی صدا آتی ہے ۹۸ جب چمن سے کبھی جنّت کی ہوا آتی ہے

بجلیاں کوند کے گرتی ہیں میرے سینہ پر!
بول اُٹھتا ہوں کہ صد حیف مری جینے پر

لاکھ تنہا کسی گلزار میں، شمشاد رہے — لاکھ دُنیا میں کوئی بنکے پری زاد رہے
لاکھ آئینے کی صحبت میں کوئی شاد رہے ۹۹ یہ میرا قول۔ میری بات مگر یاد رہے

عمر کٹتی نہیں بُلبُل کی کسی گل کے بغیر
قدر ہوتی نہیں گُل کی کسی بُلبُل کے بغیر

الغرض رحم میرے حال پہ آیا اُسکو — جسطرح مجھ سے بنا میں نے منایا اُسکو
پیار سے شوق سے اُلفت سے بٹھایا اُسکو ۱۰۰ قصّۂ درد و الم روکے سُنایا اُسکو

پھر بھی افسوس وہ بے رحم و ستمگر نکلا
آن کی آن میں پہلو سے اُچھل کر نکلا

بال و پر نوچ کے ظالم نے مجھے چھوڑ دیا — عہد و پیماں کی طرح شیشۂ دل توڑ دیا
سخت جانی کا بھی جلّاد نے منہ موڑ دیا ۱۰۱ دستِ نازک سے ہی سودائی کا سر پھوڑ دیا

ہائے تسکینِ دلِ زار کا ساماں نہ ہُوا!
دُرِ مقصود سے پُر گوشۂ داماں نہ ہُوا!!

مطلوب

ہنس کے پھر کہنے لگا دل میں نہیں کوئی ملال — خواب میں بھی نہیں کچھ مجھکو برائی کا خیال

ہاں بڑھانا نہ کبھی بھول کے پھر دستِ سوال ۱۰۲ خیر چاہو. تو کرو ترک یہ سودائے محال

وہ کرو بات کہ دنیا میں بھلائی نکلے

ایسے رستے نہ چلو جسمیں برائی نکلے

جان کو روگ محبت کا لگاتے ہو عبث — عشق کی چوٹیں دلِ زار پہ کھاتے ہو عبث

سر پہ یہ کوہِ گراں بار اٹھاتے ہو عبث ۱۰۳ اک تماشا سا زمانے کو دکھاتے ہو عبث

کیا مزہ پاؤ گے تم. ہم سے محبت کر کے؛

قیس و فرہاد نے کیا ہے لیا الفت کر کے

کوچۂ عشق میں دھونی جو رما کر بیٹھے — جو صنم خانے کی دہلیز پہ آکر بیٹھے

ہفتِ اقلیم کی دولت وہ لٹا کر بیٹھے ۱۰۴ اب پشیماں ہیں کہ صد حیف یہ کیا کر بیٹھے

عشق شاہوں کو بھی محتاج بنا دیتا ہے

یہ وہ خنجر ہے کہ گھر گھاٹ دکھا دیتا ہے

عشق نے جامِ فنا سب کو پلا کر چھوڑا — نام والوں کا نشاں اس نے مٹا کر چھوڑا

قیدخانہ مہِ کنعاں کو دکھا کر چھوڑا ۱۰۵ اور منصور کو سولی پہ چڑھا کر چھوڑا

عشق سے دور رہو عشق بلائے بد ہے

دلِ عاشق سے اسے بیر ہے. ضد بیحد ہے

کرشن بنکر یہ کہیں رادھا کے من کو بھایا   بنکے لیلیٰ کہیں مجنوں کی پلٹ دی کایا
دار پر اس نے کہیں لفظِ انا الحق گایا ۱۰۶ تیشہ بنکر کہیں فرہاد کے سر پہ آیا

کوئی عاشق تھا کہ معشوق رُلایا سب کو
جس طریقے سے مِٹے اسنے مٹایا سب کو

خوب مشہور زمانے میں ہیں لیلیٰ مجنوں   انکے سر پر بھی چڑھا تھا یہی اُلفت کا جنوں
قیس لیلیٰ پہ فدا قیس پہ لیلیٰ مفتوں ۱۰۷ وہ بھی میدانِ محبت میں رہے صیدِ زبوں

مِٹ گئے ایسے کہ تُربت کا نشاں تک نہ رہا
بُجھ گئے ایسے کہ محفل میں دُھواں تک نہ رہا

ہم تو وہ بُت ہیں جو خالق کو بھُلا دیتے ہیں   دامنِ حور بھی زاہد سے چھُڑا دیتے ہیں
حضرتِ شیخ کو وہ شکل دکھا دیتے ہیں ۱۰۸ نقشۂ خُلدِ بریں دل سے مٹا دیتے ہیں

خیالِ عقبیٰ جو کسی کو ہو تو اُلفت نہ کرے
اللہ اللہ ہی کرے ہم سے محبت نہ کرے

کالی چوٹی کو سمجھ لیجئے ناگن کالی   ایسی آفت کہ مسیحا کو بھی ڈسنے والی
اسکے کاٹے ہی سے اُڑ جاتی ہے رُخ کی لالی ۱۰۹ لاکھ پھر کوئی بچایا کرے ڈورہ و تھالی

زہر اس کا نہ کبھی ہم نے اُترتے دیکھا۔
جسکو دیکھا اُسے دُنیا سے گذرتے دیکھا

نگہِ ناز کے انداز کو پیکاں سمجھو　　کوئی برچھی کی آنی آنکھ میں پنہاں سمجھو
چھو بھی جائے تو بس انسانکو بیجان سمجھو　　۱۱۰ موت کے ہاتھ میں یہ خنجرِ برّاں سمجھو

سانپ ڈس جائے تو دو چار گھڑی جینا ہے

اسکا مارا ہوا پانی بھی نہیں پیتا ہے

کام کی اور بھی اک بات بتانے ہیں تمہیں　　دیس کی دھن میں بنا گیت سناتے ہیں تمہیں
عشق و الفت کا نیا روپ دکھاتے ہیں تمہیں　　۱۱۱ لو سنو خاک سے اکسیر بناتے ہیں تمہیں

اس جوانی میں وطن کیلئے کیا کام کیا؟

کیوں فدا اس پہ نہ اپنا دلِ خودکام کیا؟

چل رہی ہے چمنِ ہند میں یہ کیسی ہوا　　جسکو دیکھو وہی مشتاق ہے پچھانے کا
اس زمیں ہی کو الٹ دے نہ کسی روز خدا　　۱۱۲ کسی دل میں نہیں باقی اثرِ صدق و صفا

نوجواں بارِ گنہ سر پہ لئے جاتے ہیں

مادرِ ہند کو پامال کئے جاتے ہیں

کبھی ٹاکی میں یہ پہنچے ہیں کبھی تھیئٹر میں　　روح انکی کبھی شیشے میں کبھی ساغر میں
پاؤں کیوں گھر میں جمیں کام انہیں کیا گھر میں　　۱۱۳ خود بھی چکّر میں ہیں اور عقل بھی ہے چکّر میں

پاٹھ کہتے ہیں کسے ہوتی ہے پوجا کیسی؟

دھرم کا نام کبھی سن لیں تو اڑاتے ہیں ہنسی!!

کچھ جنوں زور کرے گا تو لڑیں گے باہم — کھلے میدان میں آجائینگے سب ٹھونک کے خم
بھیم بن جائیگا ہندو تو مسلماں رُستم ۱۱۴ — مادرِ ہند جو مرتی ہے تو احساس نہ غم

دبدبہ بھائی پہ اک بھائی بٹھائے افسوس!
نام الطاف و محبّت کا مِٹائے افسوس!

ہاں اگر ہر دلِ ناشاد کو یہ شاد کریں — دِل کی اُجڑی ہوئی بستی اگر آباد کریں
اپنے خالق کو اگر شام و سحر یاد کریں ۱۱۵ — پنجۂ شر سے اگر خلق کو آزاد کریں

لے لے آغوشِ محبت میں زمانہ ان کو
تاب کس کی ہے کہے پھر جو دیوانہ انکو

نہیں دُنیا میں ہُنر صنعت کا ہمسر کوئی — قابلوں ہی میں کوئی جج ہے گورنر کوئی
کاٹکر آتا ہے آفاق کا چکر کوئی ۱۱۶ — ہاں کہو تم بھی کہ کچھ رکھتے ہو جوہر کوئی

کوئی سودا ہے تو بس عشق کا سودا تم کو
اور کرنا کوئی آتا نہیں سودا تم کو

طالب — سنکے یہ مَیں نے کہا خوب سجھائی تم نے — جو فرشتوں کو نہ سوجھی وہ بتائی تم نے
صورتِ منزلِ مقصود دکھائی تم نے ۱۱۷ — کلفتِ رنج و محن دل سے مٹائی تم نے

یہ بھی سمجھا دو کہ اس چال سے مقصود ہے کیا؟
اس نئی قید سے نئے جال سے مقصود ہے کیا؟

تم ہی کہہ دو کہ تمہیں چھوڑ کے جاؤں کیونکر آستانے سے جبیں اپنی اٹھاؤں کیونکر
اپنا بھٹکا ہوا دل راہ پہ لاؤں کیونکر ۱۱۸ عشق کی آتشِ سوزاں کو بجھاؤں کیونکر

مشورہ نیک بھلا دل کو کبھی بھاتا ہے
یہ جدھر آتا ہے آندھی کی طرح آتا ہے

یہ مرے دل پہ لگاتے ہو نشانے کیسے؟ بے ٹھکانوں کو دکھاتے ہو ٹھکانے کیسے؟
گھڑ لئے تم نے یہ مطلب کے فسانے کیسے؟ ۱۱۹ جان لینی ہے تو یہ حیلے بہانے کیسے؟

مَیں جُھکا دیتا ہوں قدموں پہ ابھی سر اپنا
لو نکالو تو ذرا میان سے خنجر اپنا

مَیں بھی کہتا ہوں کہ ہاں عشق کا آزار نہ ہو دل کسی نرگسِ بیمار کا بیمار نہ ہو
کسی مژگاں کا جگر میں کوئی سوفار نہ ہو ۱۲۰ ناوکِ ناز کلیجے کے کبھی پار نہ ہو

دل نے لیکن مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے!
عقل سے، ہوش سے بیگانہ بنا رکھا ہے!!!

قیس کو فرقتِ لیلیٰ میں ستایا دل نے کوہ و صحرا میں دمنتی کو پھرایا دل نے
نام فرہاد کا دنیا سے مٹایا دل نے ۱۲۱ قصرِ شاہی میں زلیخا کو رُلایا دل نے

کچھ علاج اس کا بتا دو تو یہ احسان ہوگا
پھر کسی کو نہ کبھی موت کا ارمان ہوگا

دل نہیں دیکھے اگر دل سی جدا ہو جاؤں — پھر یقیں ہی کہ وطن پر بھی فدا ہو جاؤں
مادرِ ہند کے ہر دُکھ کی دوا ہو جاؤں [۱۲۲] خدمتِ قوم سے مقبولِ خدا ہو جاؤں

اَب تو اس حالِ پریشاں سی پریشان ہوں میں
پاس جب تک ہی یہ دل قالبِ بیجاں ہوں میں

دِلکے ہاتھوں ہوں میں لاچار نہ رکھونگا اسے — اسنے دُنیا میں کیا خوار نہ رکھونگا اسے
اسکو ہے عشق کا آزار نہ رکھونگا اسے [۱۲۳] ہے یہی دشمنِ خونخوار نہ رکھونگا اسے

آستیں کا اسے اک سانپ کہو دل کیسا؛
بڑا قاتل۔ بڑا ظالم ہے یہ بسمل کیسا؛

یہی کمبخت ہے دُنیا کو ستانے والا — ہے زمانے میں یہی آگ لگانے والا
اِک نہ اِک روز نیا فتنہ اٹھانے والا [۱۲۴] کوچۂ عشق یہی تو ہے دکھانے والا

یہ کسی ڈھب سی جو پیوندِ زمیں ہو جائے
بزمِ امکاں ابھی فردوسِ بریں ہو جائے

خون روتا ہے بہت خون رُلاتا ہی بہت — شبِ فرقت میں یہ کمبخت ستاتا ہے بہت
آتشِ غم سے کلیجے کو جلاتا ہے بہت [۱۲۵] دینے پیغامِ اجل دوڑ کے آتا ہے بہت

ایسے ظالم کو نہ کیوں آگ میں ڈالے کوئی
اپنے ہی خون سے کیوں سانپ کو پالے کوئی

اک نہ اک روز نئی بات سُناتا ہے تری   کبھی چپکے سے یہ تصویر دکھاتا ہی تری
وہ بدم جا کے خبر آپ ہی لاتا ہے تری ۱۲۶   تیرا بندہ ہے جبھی گیت یہ گاتا ہی تری

لے لے اسکو یہ تیری چیز ہے اے جانِ جہاں
ورنہ دُنیا سی مٹاتا ہوں ابھی اسکا نشاں

مطلوب

ہنسکے بولے کہ اگر دل نے ستا رکھا ہے   فتنۂ حشر اگر اس نے اٹھا رکھا ہے
اسکے نالوں نے اگر شور مچا رکھا ہے ۱۲۷   دن قیامت کا اگر اس نے دکھا رکھا ہے

چیل کوؤں کو کھلا دو اسے ٹکڑے کر کے
یا ابھی آگ لگا دو اسے ٹکڑے کر کے

ہم تو اس دشمنِ ایمان کے طلبگار نہیں   ہمیں سودا نہیں کچھ عشق کا آزار نہیں
ایسے نااہل کی صحبت ہمیں درکار نہیں ۱۲۸   جنسِ کاسد کے اجی ہم تو خریدار نہیں

جانِ شیریں کو مہالک میں نہ ڈالینگے کبھی
آستیں میں تو نہ ہم سانپ کو پالینگے کبھی

طالب

سُنکے یہ دل سی کہا ہائے مٹایا تُو نے   ارے کمبخت سرِ راہ لُٹایا تُو نے
کیا مزہ عشق کے آزار میں پایا تُو نے ۱۲۹   کیوں مری جان کو یہ روگ لگایا تُو نے

سچ کہا کرتے ہیں نادان کی صحبت ہے بُری
ہر خردمند کی گردن پہ ہے یہ تیز چھُری

دِل نے جھلا کے کہا یونہی کہا کرتے ہیں　　سب بُرے وقت میں قسمت کا گِلا کرتے ہیں
ذاتِ باری پہ بھی الزام دھرا کرتے ہیں　　کون کہتا ہے کہ ہم خود ہی خطا کرتے ہیں ۱۳۰

بات بن جائے تو چپکے سے مزا لیتے ہیں
اور بگڑ جائے تو الزام مجھے دیتے ہیں

کوئی دلدادۂ راحت ہو تو اُلفت نہ کرے　　حُور قدموں پہ گرے آکے تو رغبت نہ کرے
ناز و نخروں سے اداؤں سے محبت نہ کرے　　دل لگی کیلئے پیدا کوئی صورت نہ کرے ۱۳۱

یہ بشر کا نہیں امکان تو مرتا کیوں ہے
شعلۂ برق جہاں سوز سے ڈرتا کیوں ہے

دل نے اور دوست نے کی سخت کلامی جو بڑی　　اشک آنکھوں سے ڈھلے لگ گئی ساونکی جھڑی
دونو جانب سے قیامت کی جو یوں مار پڑی　　میں یہ سمجھا کہ لو بس آگئی مرنے کی گھڑی ۱۳۲

اَب کوئی دم کا زمانے میں رہا ہوں مہماں
پھر نہ میں ہونگا نہ دنیا میں کہیں میرا نشاں

دامنِ دوست کو پھر تھام کے میں نے یہ کہا　　اے مرے ماہِ مبیں یا مہِ حبیبِ ماہِ لقا
مَیں تو مرتا ہوں تیرے حق میں یہ کرتا ہوں دُعا　　شاد رکھے تجھے ہر طور زمانے میں خدا ۱۳۳

دامنِ ابرِ بہاری ہو یہ دامن تیرا
تا ابد شاہدِ گُل پوش ہو گلشن تیرا

ہم یہ سمجھینگے کہ دُنیا میں نہ آئے تھے کبھی
دل دیا تھا نہ کبھی۔ داغ نہ کھائے تھے کبھی
خنجرِ عشق نے چرکے نہ لگائے تھے کبھی ۱۳۴
زہر کے جام کسی نے نہ پلائے تھے کبھی

ہم کو پیغامِ اجل ایک دن آنا تھا ضرور
آخر اک روز ہمیں جان سے جانا تھا ضرور

بعدِ مُردن تو نہ آکر کے ستائینگے کبھی
عالمِ خواب میں بھی منہ نہ دکھائینگے کبھی
آسماں نالوں سے سر پہ نہ اٹھائینگے کبھی ۱۳۵
شکوۂ ہجر زباں تک بھی نہ لائینگے کبھی

اب اُڑے گی نہ تیری نیند مرے نالوں سے
اور نہ دل اُلجھے گا جا جا کے ترے بالوں سے

مہندی ہاتھوں میں میری جان لگاتے رہنا
اپنی زینت کے یہ سب نقش بٹھاتے رہنا
محفلِ غیر میں رنگ خوب جماتے رہنا ۱۳۶
نازو انداز کو جھوٹے میں جھلاتے رہنا

دیکھنا لب سے کہیں پان کی لالی نہ اُڑے
صفحۂ دل سے کوئی نقشِ خیالی نہ اُڑے

فاتحہ پڑھنے لحد پر میری آنا نہ کبھی
میری تربت پہ دیا آکے جلانا نہ کبھی
آکے چادر یا کوئی پھول چڑھانا نہ کبھی ۱۳۷
بال بکھرے ہوئے شانوں پہ دکھانا نہ کبھی

کسی بیکس کسی نادار کا ماتم کیوں ہو!
سُرمگیں آنکھ تمہاری یونہی پُرنم کیوں ہو!

یہ کہا اور ہوا آنکھ سے جاری دریا — کیا کہوں دل میں خیالات بھرے تھے کیا کیا
ہو گئی بند مگر ہائے زبانِ گویا ۱۳۸ ہو کے بیہوش وہیں فرشِ زمیں پر میں گرا

آنکھ اب کھول سکوں اتنی بھی طاقت نہ رہی
ہوش بھی آتا تو کیوں جینے کی حسرت نہ رہی

جب کھلی آنکھ نظر مجھکو یہ منظر آیا — اُس نے آنچل سے کیا ہے میرے سر پر سایا
لخلخہ زلف کا جو اُس کو سنگھانے پایا ۱۳۹ میں یہ سمجھا کہ میری آنکھ نے دھوکا کھایا

لیکن اُلفت کا حقیقت میں اثر ہوتا ہے
نخلِ اخلاص کا اخلاص ثمر ہوتا ہے

اب وہ سودا تھا نہ وحشت تھی نہ شوریدہ سری — اب نہ وہ جور و ستم اور نہ بیدادگری
کشتۂ اُمید ہوئی جب مری قسمت سے ہری ۱۴۰ آگئی آپ ہی شیشے میں اُتر کر وہ پری

بادۂ وصل کو پایا تو بلا نوش ہوا
اسقدر جام اڑائے کہ میں بیہوش ہوا

ملگئی جب وہ مجھے جان سے پیاری صورت — کیوں نہ ہے دلکو میری حور و پری سے رغبت
ہفتِ اقلیم کی حق یہ کہ پائی دولت ۱۴۱ اب نگاہوں میں میری ہیچ ہے باغِ جنت

بیخودی اتنی ہے اب یہ بھی نہیں دلکو خبر
شام کب پڑتی ہے اور ہوتی ہے کس وقت سحر

۱۴۲ دل اس طور محبت میں ہوں اِک اِک پہ فدا — متحد جسطرح رہتے ہیں سدا بندِ قبا

بزمِ ساقی میں کبھی آتی رہے جنت کی ہوا — شیشہ ساغر سے تو ساغر نہ ہو شیشے سے جُدا

چمن آباد رہے۔ بُلبُل و گُل مِلتے رہیں

ہے دُعا دِل کی یہی غنچۂ دِل کھلتے رہیں ۲

تمت بالخیر

ایک جدید آفرین نظم

گلزار محبت

مصنفہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

12

द्यालय